رہے سلامت تمہاری نسبت

حضرت قاسمؒ

حضرت ابوبکرؓ

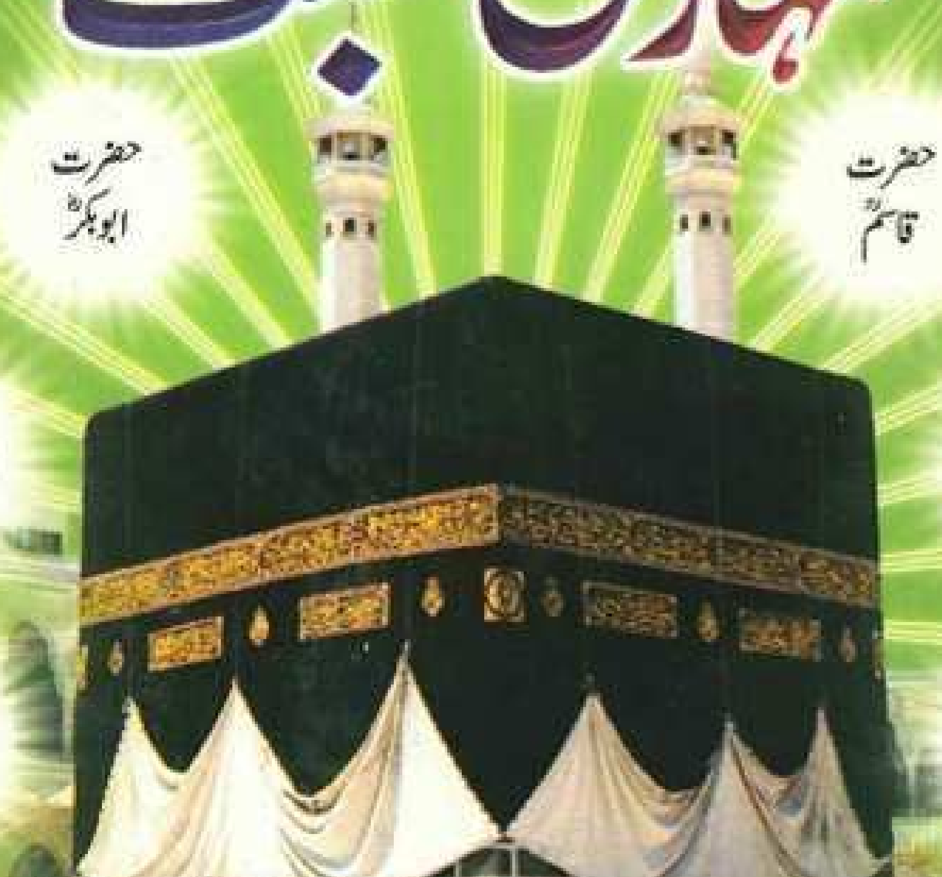

حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانیؒ

حضرت یعقوب چرخیؒ

حضرت بایزید بسطامیؒ

حضرت بہاؤالدین نقشبندیؒ

حضرت عبدالمالک صدیقیؒ

حضرت خواجہ محمد معصومؒ

حضرت غلام حبیبؒ

حضرت مجدد الف ثانیؒ

حضرت فضل علی قریشیؒ

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مدظلہ

دارالکتاب دیوبند

باب 4

نورنسبت کے اوصاف

یوں تو دنیا میں ہر آدمی کی شکل وصورت، مزاج اور طبیعت ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہے۔ تاہم جس بندے میں بھی نسبت کا نور آجاتا ہے تو اس نور کے کچھ اوصاف ایسے ہوتے ہیں جن سے وہ رنگا جاتا ہے۔ جس قدر یہ اوصاف گہرے ہوتے ہیں اسی قدر اس کی نسبت مضبوط ہوتی ہے۔ چند ایک اوصاف بیان کیے جاتے ہیں۔

نسبت اور مقام فنائیت

صاحب نسبت انسان کا ایک وصف یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے کرتے ایک ایسے مقام پر پہنچ جاتا ہے جس کے بعد غفلت نہیں ہوتی۔ اس کو مقام فنائیت کہتے ہیں۔ یہ شخص اللہ تعالیٰ کے ذکر میں ایسا فنا ہوتا ہے کہ ماسویٰ اس کے دل سے کلی طور پر نکل جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی یاد اس کی طبیعت کا ثانیہ بن جاتی ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر اس کی عمر ہزار سال ہو

جائے اور وہ ہزار سال کوشش کرتا رہے کہ میں اللہ کو بھلا بیٹھوں تو وہ نہیں بھلا سکتا

بھلانا بھی چاہو بھلا نہ سکو گے

وہ ایک لمحہ بھی اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ ایسے بندوں کے بارے میں فرماتے ہیں رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ کہ یہ میرے وہ بندے ہیں جن کو تجارت اور خرید و فروخت بھی میری یاد سے غافل نہیں کرتی۔ نیز فرماتے ہیں کہ یہ میرے وہ ہمت والے بندے ہیں اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ جو کھڑے بھی مجھے یاد کرتے ہیں، لیٹے بھی مجھے یاد کرتے ہیں، اور بیٹھے بھی مجھے یاد کرتے ہیں۔ جب انسان کو یہ کیفیت مل جائے تو پھر وہ اللہ تعالیٰ کو نہیں بھولتا۔ ان کو ہر حال میں اللہ تعالیٰ یاد رہتے ہیں

گو میں رہا رہینِ ستم ہائے روزگار
لیکن تیرے خیال سے غافل نہیں رہا

ایک شبے کا ازالہ

ایک شبہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ کوشش کے باوجود ایک لمحہ کی بھی غفلت نہ ہو؟ اس بات کو یوں سمجھیں کہ کان کا وصف ہے سننا اگر کوئی کوشش کرے کہ میرے کھلے کان کسی آتی آواز کو نہ سنیں تو کیا وہ ایسا کر سکتا ہے؟ نہیں کر سکتا۔ اسی طرح آنکھ کا کام ہے: دیکھنا کوئی یہ کوشش کرے کہ میں کھلی آنکھوں سے بھی نہ دیکھوں تو کیا یہ ممکن ہے؟ نہیں ممکن۔ اسی طرح جب ذکر کرنا دل کا وصف بن جاتا ہے تو غفلت کا آ جانا بھی ممکن نہیں رہتا۔ ہمارے مشائخ نے یہ بات ان الفاظ میں سمیٹ دی اَلْفَانِیُّ لَا يُرَدُّ کہ فانی واپس نہیں لوٹتا۔

''فانی آدمی واپس نہیں لوٹتا'' کا مطلب یہ ہے کہ جیسے کوئی آدمی بالغ ہونے کے بعد دوبارہ نابالغ نہیں ہوسکتا اور پھل پکنے کے بعد دوبارہ کچا نہیں ہوسکتا اسی طرح فانی آدمی ذکر کر کے اپنی روحانیت کو اس درجے پر پہنچا دیتا ہے کہ پھر اللہ رب العزت اس کو واپس نہیں لوٹنے دیتے اور اسے اپنے پیارے بندوں میں شامل کر لیتے ہیں۔

حضرت عبداللہ اصطخری ؒ پر فنائیت کی حالت

عبداللہ اصطخری ؒ ایک اللہ والے بزرگ تھے ذکر اذکار میں لگے رہتے تھے۔ ذکر کرتے کرتے جب ان پر فنائیت کی حالت آئی تو ذکر کی مستی ایسی سوار ہوئی کہ اب ذکر چھوڑنے سے بھی نہ چھوٹے۔ ایسی حالت میں روحانی طور پر تو مزے ہوتے ہیں کہ انسان باطنی ترقی کر رہا ہوتا ہے لیکن جسم پر بوجھ ہوتا ہے کہ جسم ان کیفیات کو برداشت نہیں کرتا۔ اب وہ بزرگ چاہتے تھے کہ کچھ دیر ذکر چھوڑ کر ذرا جسم کو آرام دوں لیکن ذکر سے اب غفلت ہوتی نہ تھی۔ آخر انہوں نے دھیان بٹانے کے لئے شکار کا پروگرام بنایا اور اپنے ہمراہیوں کے ساتھ جنگل کو نکلے لیکن شکار میں بھی ذکر کی حالت سے چھٹکارا نہ ملا۔ تو اب وہ بہت پریشان ہو گئے اور اس پریشانی کی حالت میں ان کی زبان سے جو الفاظ نکلے وہ بڑے عجیب ہیں۔ فرمایا ''اللہ اس شخص کے سب گناہوں کو معاف کر دے جو مجھے ایک لمحہ کے لئے اللہ کے ذکر سے غافل کر دے''

تو فنائیت میں بندے کی یہی حالت ہو جاتی ہے کہ کوشش کرنے سے بھی دل میں غفلت نہیں آتی۔

نسبت اور نیت کا استحضار

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے انما الاعمال بالنیات تمام اعمال کا دار
نیتوں پر ہے۔ دوسری جگہ پر فرمایا لکل الامرء ما نوی اور انسان کو وہ کچھ ملتا ہے
جیسی اس کی نیت ہوتی ہے۔ کسی بھی کام میں جس قدر نیت اچھی ہوتی ہے اسی قدر
وہ کام اچھا ہوتا ہے۔ بعض اوقات کام تو بہت چھوٹا سا ہوتا ہے لیکن نیت اس کو
بہت بڑا بنا دیتی ہے اور بعض اوقات کام بہت بڑا ہوتا ہے لیکن نیت اس کو چھوٹا بنا
دیتی ہے۔

صاحب نسبت انسان کا ایک وصف یہ ہوتا ہے کہ ہر کام میں اس کو اپنی نیت کا
استحضار رہتا ہے۔ کیونکہ وہ ہر کام میں اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کا طالب ہوتا ہے
لہٰذا وہ ہر چھوٹے سے چھوٹے اور بڑے سے بڑے کام میں اپنی نیت کو دیکھتا ہے
کہ اس کام میں میری نیت کیا ہے۔ اگر تو نیت اللہ کی رضا کے موافق ہوتی ہے تو
کرتا ہے اگر نہیں ہوتی تو نہیں کرتا۔ اور اس کی یہ بھی کوشش ہوتی ہے کہ نیت جتنی
اچھی ہو سکے کی جائے تاکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں زیادہ قرب پا سکے۔ یہ اسی استحضار
نیت کا نتیجہ ہوتا ہے کہ اس کا ہر کام ثواب ہی ثواب ہوتا ہے۔

سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ اور استحضار نیت

ایک مرتبہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ ایک کافر کے سینے پر چڑھ بیٹھے۔ قریب تھا کہ
کے سینے میں خنجر گھونپ دیتے۔ مگر اس کمینے نے آپ رضی اللہ عنہ کے چہرہ انور پر تھوک
دیا۔ جب تھوک دیا تو بجائے اس کو ذبح کرنے کے آپ رضی اللہ عنہ پیچھے ہٹ گئے

ان ہو کر پوچھنے لگا، علی! آپ نے مجھے مارا کیوں نہیں؟ آپ ؓ فرمانے لگے
میں تجھے اللہ کی رضا کے لئے مارنا چاہتا تھا مگر جب تو نے میرے چہرے پر تھوکا
پھر میرا ذاتی غصہ بھی شامل ہو گیا اور میں اپنے ذاتی غصے کی وجہ سے کسی کو قتل نہیں
کر سکتا۔

حضرت سفیان ثوریؒ اور استحضار نیت

حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے تھے کہ پہلے لوگ نیت کو اس طرح سیکھا کرتے تھے جس طرح لوگ اب عمل سیکھتے ہیں۔ایک مرتبہ آپ نماز کے لئے گئے تو بھول کر لباس الٹا پہن لیا۔ایک شخص نے آپ کے کپڑے دیکھ کر آپ کو توجہ دلائی۔ آپ نے ہاتھ بڑھایا کہ میں اس کا رخ تصحیح کر لوں لیکن پھر رک گئے اور اس کو ویسے ہی رہنے دیا۔ بعد میں اس صاحب نے اس کی وجہ پوچھی تو آپ نے فرمایا کہ جب میں نے کپڑے پہنے تھے تو اللہ کی رضا کی نیت کی تھی۔ اور جب تمہارے یاد دلانے پر میں نے کپڑا بدلنا چاہا تو اپنی نیت پر غور کیا تو اب کپڑا پہننے کی نیت غیر کو دکھانے کی تھی۔لہٰذا میں نے اپنے پہلے عمل کو بہتر جانتے ہوئے اس کو اسی طرح رہنے دیا۔

حضرت طاؤس ؓ کا استحضار نیت

حضرت طاؤسؒ ایک محدث تھے، بغیر نیت کو دیکھے حدیث بیان نہیں کرتے تھے۔اگر کوئی درخواست کرتا پھر بھی بیان نہ کرتے۔اور جب ان کی اپنی نیت ہوتی بغیر کسی کے پوچھے بیان کرنا شروع کر دیتے۔ایک دفعہ لوگوں نے اس کی وجہ پوچھی تو کہا کہ میں اپنی نیت کو دیکھتا ہوں جب نیت درست ہوتی ہے یعنی اللہ کی

رضا کی ہوتی ہے تو بیان کرنا شروع کر دیتا ہوں اور جب نیت حاضر نہیں
فقط کسی کے کہنے پر بیان نہیں کرتے۔

حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اور استحضار نیت

حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ ہمارے اکابرین میں
تھے۔ ایک مرتبہ وہ کسی بچے کو غلطی پر سزا دینے لگے۔ اسے دو چار تھپڑ لگا
جب بچے کو تھپڑ لگے اور اسے درد ہوا تو رو کر کہنے لگا، حضرت! مجھے اللہ کے
معاف کر دیں۔ حضرتؒ نے فرمایا، او خدا کے بندے! میں تجھے اللہ کے
تو مار رہا ہوں۔ معلوم ہوا کہ ان کا غصہ کے وقت بھی کسی کو مارنا اللہ کی رضا
لئے ہوا کرتا تھا۔

عجیب واقعہ

شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریاؒ ایک واقعہ سنایا کرتے تھے کہ ایک شخص
پت کا رہنے والا تھا اور اس پر دریائے جمنا کے اس پار شہر کرنال میں اس
مقدمہ تھا۔ جس دن مقدمے کی تاریخ تھی دریا طغیانی پر تھا۔ وہ ایک ایک ملا
خوشامد کرتا تھا کہ مجھے کسی طرح دوسرے کنارے پر پہنچا دو لیکن وہ
اسے صاف جواب دیتے کہ ہم تمہارے ساتھ اپنے کو بھی ڈبوئیں گے لہٰذا ہم
جا سکتے۔ اب یہ بڑا پریشان پھر رہا تھا۔ اس کو ایک شخص نے کہا تو ایسا کر
جھونپڑی میں چلا جا وہاں ایک مجذوب بزرگ رہتے ہیں، ان کی منت سماجت
وہ تیرے کام آسکتے ہیں اور تو کوئی صورت نہیں۔

وہ صاحب وہاں گئے اور ان کو اپنا مسئلہ بیان کیا اور منت سماجت کی کہ

پریشانی کا کوئی حل ڈھونڈیں۔ پہلے تو وہ بزرگ حسب عادت سخت خفا ہوئے کہ میری کیا اوقات ہے میں کیا کر سکتا ہوں۔ مگر یہ جب روتا ہی رہا اور ان کی خوشامد کرتا رہا تو انہوں نے کہا کہ اچھا جاؤ اور جمنا سے جا کر کہہ دو جو شخص عمر بھر بیوی کے پاس نہیں گیا اس نے بھیجا ہے کہ مجھے راستہ دے دو۔ وہ گیا اور یہی بات کہی تو جمنا نے راستہ دے دیا اور یہ آرام سے دوسرے کنارے پر چلا گیا۔ اس کا تو کام ہو گیا۔ لیکن ان بزرگ کی بیوی جو جھونپڑی میں ان کی بات سن رہی تھی ان کے سر ہو گئی۔ کہنے لگی تم مجھے یہ بتاؤ کہ تم جو زندگی بھر میرے پاس نہیں آئے تو یہ جو چھ سات بچے میرے ہو گئے ہیں یہ کسی اور سے ہوئے ہیں۔ تم تو لوگوں میں میرا منہ کالا کر رہے ہو۔ ہر چند کہ اس بزرگ نے اسے خاموش کروانے کی بڑی کوشش کی لیکن عورت کی عقل میں بات نہ آئی۔ بالآخر جب کچھ دیر گزر گئی تو پھر اس بزرگ نے کہا دیکھو! میں نے زندگی بھر تمہارے ساتھ صحبت خوب کی تم بھی جانتی ہو لیکن صحبت کرنے میں ہمیشہ نیت یہ رہی کہ اللہ نے تیرا جو حق مجھ پر رکھا ہے اس کو ادا کرتا ہوں۔ یہ تھا مطلب میری اس بات کا جو میں نے اس شخص سے کی۔

الغرض کہ صاحب نسبت حضرات کی نیت اور ارادے اللہ کی رضا میں گم رہتے ہیں اور ان کا کوئی کام بغیر نیت خیر کے نہیں ہوتا۔ اسی نیت کو درست کرنے کیلئے وہ اپنے مشائخ کی خدمت میں کئی کئی سال محنت اور مجاہدے کرتے ہیں۔ تب جا کر وہ اس قابل ہوتے ہیں کہ پہلے اپنی نیت کو حاضر کرتے ہیں پھر کوئی کام کرتے ہیں۔

نسبت اور معیت الٰہی کا استحضار

صاحب نسبت حضرات کا ایک وصف یہ بھی ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معیت کا استحضار نصیب ہو جاتا ہے۔ یعنی وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کو اس طرح اپنے ساتھ پاتے ہیں کہ گویا وہ ہمیں دیکھ رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتے ہیں هو معکم اینما کنتم تم جہاں کہیں بھی ہو وہ تمہارے ساتھ ہے۔ نبی علیہ الصلوۃ والسلام کا پاک ارشاد ہے ان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانک یراک اللہ تعالیٰ کی عبادت ایسے کرو جیسے تم اسے دیکھ رہے ہو۔ اگر یہ کیفیت نہ ہو تو یہ خیال کرو کہ وہ تمہیں دیکھتا ہے۔ لہٰذا اللہ والے اپنے آپ کو ہر لحہ اللہ جل شانہ کے حضور میں پاتے ہیں اور ان کی معیت کا خیال کر کے وہ ہر وقت مؤدب رہتے ہیں۔

صحابہ کرام کو تو معیت الٰہی کی یہ کیفیت نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی پہلی ملاقات میں حاصل ہو جاتی تھی لیکن بعد میں ان کے زمانے سے بعد کی وجہ سے صوفیائے کرام تصوف وسلوک کی محنت سے اس کیفیت کو حاصل کرتے ہیں۔

شیخ الحدیث حضرت زکریاؒ سے ایک مرتبہ کسی نے پوچھا کہ تصوف کیا ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ

انما الاعمال بالنیات سارے تصوف کی ابتداء ہے اور ان تعبد اللہ کانک تراہ سارے تصوف کا منتہاء ہے۔ اسی کو نسبت کہتے ہیں، اسی کو یادداشت کہتے ہیں، اسی کو حضوری کہتے ہیں۔ (یاد ایام)

بعض لوگ تو کہتے ہیں کہ جی بیعت کیوں کی جاتی ہے؟ پیر کی کیا ضرورت

ہے؟ بھئی! اس لئے بیعت ہوتے ہیں کہ وہ مشائخ اللہ رب العزت کی معیت حاصل کرنے کا طریقہ بتاتے ہیں۔

جس بندے کے اندر معیت الٰہی کا استحضار پیدا ہو جاتا ہے وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی یاد میں رہتا ہے۔ اس کو حدیث پاک میں افضل الایمان کہا گیا ہے۔ حضرت عبادہ ابن صامتؓ کی روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا۔ اَفْضَلُ الایمان اَنْ تَعْلَمَ اَنَّ اللّٰہَ مَعَکَ حَیْثُ مَا کُنْتَ ۔ افضل ایمان یہ ہے کہ تو اس بات کو جان لے کہ اللہ رب العزت تیرے ساتھ ہیں تو جہاں کہیں بھی ہے۔ اس افضل ایمان کو حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا احفظ اللہ یحفظک ، احفظ اللہ تجد تجاھک تو اللہ کی حفاظت کر، تو اللہ کو اپنے سامنے پائے گا، گویا ہر وقت اللہ تعالیٰ کا دھیان رہے گا۔

لہٰذا جب کسی کی اللہ تعالیٰ کے ہاں نسبت قائم ہو جاتی ہے تو اس کی ایک علامت یہ ہے کہ اسے معیت الٰہی کا استحضار نصیب ہو جاتا ہے۔

ایک چرواہے کے دل میں معیت الٰہی کا استحضار

ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے جنگل میں پڑاؤ ڈالا۔ ایک نوجوان اپنی بکریوں کو چراتا ہوں قریب سے گزرا۔ آپؓ نے اسے کہا، آؤ بھئی! کچھ کھالو۔ وہ کہنے لگا، انا صائم کہ میں روزہ دار ہوں۔ جب اس نے یہ بات کہی تو آپ بڑے حیران ہوئے کہ جنگل کی تنہائی میں اور کوئی دیکھنے والا بھی نہیں ہے اور یہ نوجوان روزہ رکھے ہوئے ہے۔ مزید برآں سخت گرمی میں بکریاں چرا رہا ہے

اور کوئی تعریف کرنے والا بھی نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے سوچا کہ اس کو ذرا آز
چاہئے۔ آپ ﷺ نے کچھ دیر کے بعد اسے اپنے پاس بلایا اور فرمایا، بھئی! ایک
بکری تم ہمیں دے دو، ہم اس کو ذبح کر کے کھائیں گے اور تم بھی افطاری کے
وقت ہمارے ساتھ کھالینا۔ وہ نوجوان کہنے لگا، جی یہ بکریاں میری نہیں ہیں یہ
میرے مالک کی ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اتنی بکریوں میں سے ایک بکری
تیرے مالک کو کیا پتہ چلے گا؟ جب یہ فرمایا تو کہنے لگا، اگر میرے مالک کو پتہ نہیں
چلے گا تو فاین اللہ تو پھر اللہ کہاں ہے؟ اس کو تو پتہ چل جائے گا۔ آپ ﷺ
واقعہ سناتے اور فرماتے کہ اللہ رب العزت نے اس نوجوان کے دل میں کیا
ایمان رکھ دیا تھا کہ وہ جنگل میں بھی کہتا تھا فاین اللہ کہ پھر اللہ کہاں ہے؟

ایک لڑکے کے دل میں معیتِ الٰہی کا استحضار

ایک شخص اپنے بیٹے کے ساتھ سفر کر رہا تھا۔ جب وہ انگوروں کے ایک باغ
کے قریب سے گزرے تو باپ کا دل للچا پڑا اور اس نے چاہا کہ کچھ انگور کھاؤں۔
چنانچہ اس نے اپنے بیٹے کو ایک جگہ کھڑا کیا اور کہا، بیٹا! تم یہاں کھڑے ہو کر ادھر
ادھر جھانکنا تا کہ کوئی آنے لگے تو پتہ چل جائے۔ جب وہ انگور توڑنے کے لئے گیا
تو وہ ابھی درخت کے قریب ہی پہنچا تھا کہ بچے نے شور مچا دیا۔ کہنے لگا یا ابی! یا
ابی! احد یرانی اے ابا جان! اے ابا جان! ایک ہمیں دیکھ رہا ہے۔ جب اس
نے یہ کہا تو باپ ڈر کر پیچھے کی طرف بھاگا۔ اس نے بچے کے پاس آ کر ادھر ادھر
دیکھا تو کوئی بھی نہیں تھا۔ وہ کہنے لگا، کون دیکھ رہا ہے؟ بیٹے نے کہا، ابا جان اگر
کوئی بندہ نہیں دیکھ رہا تو بندوں کا پروردگار تو دیکھ رہا ہے۔

حضرت خواجہ بہاؤالدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ اور معیت الٰہی

شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ بیعت ہوئے۔ شیخ نے تیسرے دن انہیں خلافت دے دی۔ جب ان کو تیسرے دن خلافت ملی تو وہاں کے مقامی لوگ کہنے لگے، حضرت! یہ دور سے آیا ہے اور تین دنوں میں اس کو یہ نعمت مل گئی مگر ہم لوگ بھی تو مدتوں سے آپ کی خدمت میں پڑے ہیں، ہم پر بھی نظر کرم فرما دیں۔ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ نے فرمایا، اچھا آپ کو سمجھائیں گے۔

دوسرے دن انہوں نے بہت ساری مرغیاں منگوائیں اور ان تمام لوگوں کو دیں جنہوں نے اعتراض کیا تھا اور ایک بہاؤالدین زکریا ملتانیؒ کو بھی دی اور سب سے فرمایا کہ اس مرغی کو ایسی جگہ پر ذبح کر کے لاؤ جہاں کوئی نہ دیکھتا ہو۔ چنانچہ کوئی درخت کی اوٹ میں ذبح کر کے لایا، کوئی کمرے میں ذبح کر کے لایا اور کوئی دیوار کے پیچھے ذبح کر کے لایا۔ سب نے مرغیاں ذبح کر کے لا دیں اور حضرت کو دکھائیں۔ مگر بہاؤالدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ تھوڑی دیر کے بعد آئے اور رونا شروع کر دیا۔ حضرت نے پوچھا، بھئی! تم کیوں رو رہے ہو؟ کہنے لگے، حضرت،! آپ نے فرمایا تھا کہ کسی ایسی جگہ پر ذبح کرنا جہاں کوئی نہ دیکھ رہا ہو مگر میں جہاں بھی گیا، وہاں میرا پروردگار مجھے دیکھ رہا تھا جس کی وجہ سے میں ذبح نہ کر سکا اور یوں آپ کے حکم پر عمل نہیں ہو سکا۔

اس وقت حضرت نے اپنے دوسرے مریدین کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا، دیکھو! میں نے اس کی اس کیفیت کی وجہ سے اسے یہ نعمت جلدی دے دی ہے

خبردار! اللہ دیکھ رہا ہے

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں اَلَمْ يَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰى
یہ (کافر مشرک گنہگار) نہیں جانتا کہ اللہ دیکھ رہا ہے۔ ان الفاظ کو پڑھ کر حیرا
ہوتے ہیں۔ اب بتایئے کہ جب ہم اللہ تعالیٰ کی نگاہوں کے سامنے گناہ کر
گے تو پھر کل قیامت کے دن ہمیں کتنی شرمندگی اور ذلت ہوگی۔ اس لئے
موقع ہے کہ ہم اللہ رب العزت سے اپنے گناہوں کی معافی مانگیں اور اپنے اند
معیت" کی یہ کیفیت پیدا کرنے کی کوشش کریں۔

نسبت اور حفاظت خداوندی

صاحب نسبت انسان اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں ہوتا ہے۔ انبیائے کرا
معصوم ہوتے ہیں اور اولیائے کرام محفوظ ہوتے ہیں۔ یہ نسبت کی برکت ہو
ہے کہ اللہ والے اپنے علم اور ارادے سے گناہ نہیں کیا کرتے۔ اور اگر لاعلمی میں
غیر ارادی طور پر کوئی بھول چوک ہو جائے تو فوراً اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں
توبہ و استغفار کرتے ہیں، ان کی نسبت کا نور ان کی لغزشوں کے اثر کو بہا لے جا
ہے۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ اولیائے کرام محفوظ ہوتے ہیں۔

اللہ رب العزت اپنے اولیاء کو گناہوں کی ذلت سے نکال لیتے ہیں۔ جیسے
باپ اگر اپنے بیٹے کو غلط قسم کے لوگوں میں کھڑا دیکھے تو اس کا ذرا بھی جی نہیں چاہ
کہ وہ ان لوگوں میں رہے بلکہ اس کی یہ کوشش ہوگی کہ وہ اسے فوراً اس ماحول سے
نکالے۔ بالکل اسی طرح اللہ رب العزت بھی ایسے بندے کو نفس اور شیطان کے

غلبے سے نکال کر اپنی حفاظت میں لے لیتے ہیں کیونکہ اس نے ذکر و عبادت کے ذریعے اپنے پروردگار کو راضی کر لیا ہوتا ہے۔

کبیرہ گناہ سے پاک شخصیت

جب دارالعلوم دیوبند کا سنگ بنیاد رکھا جانے لگا تو حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے اعلان فرمایا کہ آج میں اس دارالعلوم کا سنگ بنیاد ایک ایسی شخصیت سے رکھواؤں گا جس نے کبیرہ گناہ تو کیا کرنا کبھی کبیرہ گناہ کرنے کا دل میں ارادہ ہی نہیں کیا۔ انہوں نے اس کا افتتاح

حضرت مولانا اصغر حسین کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ماموں شاہ حسین احمد سے کروایا جو کہ "منے شاہ" کے نام سے مشہور تھے۔ دیکھنے میں ان کا قد چھوٹا تھا لیکن اللہ رب العزت کے ہاں ان کا قد بہت بڑا تھا۔ ان کی زندگی اقتصادی لحاظ سے بہت معمولی سی تھی۔ وہ گھاس کاٹ کر بیچتے تھے اور روزانہ تھوڑے تھوڑے پیسے بچاتے رہتے۔ حتیٰ کہ پورے سال میں اتنے پیسے بچ جاتے کہ وہ ایک مرتبہ دارالعلوم دیوبند کے اساتذہ کی دعوت کرتے تھے۔ اساتذہ فرماتے تھے کہ ہم سارا سال ان کی دعوت کے منتظر رہتے کیونکہ ہم جس دن ان کے گھر سے کھانا کھا لیتے اس کے بعد چالیس دن تک ہماری نماز کی حضوری کے اندر اضافہ ہو جاتا تھا۔ سبحان اللہ، اتنا حلال اور پاکیزہ مال تھا۔

فرشتوں کو گناہ لکھنے کا موقع نہیں ملتا

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مکاتیب میں لکھا ہے کہ اس امت میں ایسے ایسے پرہیزگار اولیاء گزرے ہیں کہ بیس بیس سال تک

گناہ لکھنے والے فرشتوں کو ان کا گناہ لکھنے کا موقع نصیب نہیں ہوا۔ سبحان اللہ! یہ نور بھرے سینے کی برکات ہیں۔

فاحشہ عورت پر نسبت کا اثر

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں ایک بڑا متکبر آدمی تھا۔ اس کے پاس بہت زیادہ مال و دولت بھی تھا اور خوبصورت باندیاں بھی تھیں۔ اسے اپنے شباب اور شراب کے کاموں سے فرصت ہی نہیں ملا کرتی تھی۔ کسی نے اس کے سامنے حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی نیکی کا تذکرہ کر دیا۔ وہ کہنے لگا، اچھا، میں ان کی آزمائش کرتا ہوں۔ چنانچہ اس نے اپنی باندیوں میں سے جو سب سے زیادہ خوبصورت اور رشک قمر باندی تھی اسے بلایا اور کہا کہ بن سنور کر ان کے پاس جانا اور ان سے ایک مسئلہ پوچھتے ہوئے یکدم اپنے چہرے سے نقاب ہٹا دینا۔ میں دیکھتا ہوں کہ وہ تمہاری خوبصورتی کو دیکھ کر بھی گناہ سے بچتا ہے یا نہیں بچتا۔

باندی بن سنور کر جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس پہنچی۔ وہ ان کے سامنے بیٹھ کر مسئلہ پوچھنے لگی، مسئلہ پوچھتے پوچھتے اس نے یکدم اپنے چہرے سے نقاب ہٹا دیا اور خوبصورت چہرے اور سراپا کے ساتھ ان کے سامنے مسکرا دی۔ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی نظر اچانک اس پر پڑ گئی اور آپ کی زبان سے فوراً ''اللہ'' کا لفظ نکلا۔ یہ اللہ کا لفظ ایسی تاثیر رکھتا تھا کہ اس باندی کے دل کے اندر پیوست ہو گیا۔ اب اس نے شرم کی وجہ سے چہرے پر دوبارہ نقاب لے لیا۔

جب واپس گئی تو اس کے دل کی دنیا بدل چکی تھی۔ وہ مالک سے جا کر کہنے

گی، اب آپ کے ساتھ میرا گزارا نہیں ہو سکتا۔ میں نے اللہ کا لفظ سنا ہے۔ اس لفظ کی وجہ سے میرے دل میں اللہ کی محبت ایسے آئی ہے کہ اب میں اسی کی عبادت میں زندگی گزاروں گی۔ چنانچہ وہ دن کو روزہ رکھتی اور رات کو عبادت کرتی اور وہ متکبر آدمی اپنے دوستوں میں بیٹھ کر کہتا تھا کہ میں نے جنید بغدادی کا کیا بگاڑا تھا کہ اس نے میری خوبصورت باندی کو کچھ کر دیا ہے، اب وہ میرے کام کی نہیں رہی۔

اللہ تعالی صاحب نسبت حضرات کی فتنوں اور آزمائشوں کے وقت گناہوں سے حفاظت فرما دیتے ہیں۔

مکروہات شرعیہ کا مکروہات طبعیہ بننا

نسبت کی برکت سے انسان کا شریعت پر عمل کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ احکامات شریعت اس پر بوجھ نہیں بنتے بلکہ اس کے نفس کا تقاضہ بن جاتے ہیں، یعنی اس کو شریعت پر عمل کیے بغیر چین ہی نہیں آتا۔ حضور اکرم ﷺ کا پاک ارشاد ہے:

لا یومن احدکم حتیٰ یکون ھواہ تبعاً لما جئت بہ

(تم میں سے کوئی اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک اس کی تمام خواہشات طبعاً اس دین کے تابع نہ ہو جائیں جو میں لایا ہوں)

حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ

"ذکر کا اصل مقصد یہ ہے کہ انسان کی رگ رگ اور ریشے ریشے سے

گناہوں کا کھوٹ نکل جائے"

بعض مشائخ نے اسی کو "دل کا جاری ہونا" کہا ہے۔ بعض سالک سمجھتے ہیں کہ دل کا جاری ہونا دل کی کوئی ظاہر اُدھڑکن ہوتی ہے۔ جی ہاں، دل کی اللہ اللہ بھی محسوس ہوتی ہے مگر فقط اللہ اللہ کی کیفیت مطلوب نہیں جب تک کہ اعضا اس کا ثبوت نہیں دیتے۔ اگر کوئی سالک کہے کہ مجھے اللہ اللہ کی کیفیت تو حاصل ہے مگر وہ اپنے جسم سے شریعت وسنت کی خلاف ورزی کرتا ہے تو اس کی اس اللہ اللہ والی کیفیت کا کوئی اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ تصوف کی ابتدا یہ ہے کہ انسان کو اپنے دل سے اللہ اللہ کا ادراک محسوس ہو اور اس کی انتہا یہ ہے کہ اس کے جسم پر اللہ رب العزت کے احکام جاری ہو جائیں۔ گویا اس کا جسم اس کے دل کے قابو میں آ جائے۔ پھر یہ کہا جائے گا کہ اس بندے کا قلب جاری ہو گیا یعنی اس بندے کے قلب کا حکم جسم کے اعضا پر جاری ہو گیا ہے۔

لہٰذا صاحب نسبت انسان جن چیزوں کا شریعت نے حکم کیا ان پر عمل کرنے کی دل سے کوشش کرتا ہے اور جن سے منع کیا وہ ان سے مارے باندھے نہیں بلکہ طبعاً نفرت کرتا ہے مکروہات شرعیہ اس کے لئے مکروہات طبعیہ بن جاتی ہیں۔

عام آدمی اور صاحب نسبت کی عبادت میں فرق

جب کوئی شخص بیمار ہو جائے اور اس کی بھوک اڑ جائے تو ڈاکٹر پھر بھی اسے اچھی غذا کھانے کی تلقین کرتا ہے تاکہ قوت قائم رہے۔ وہ مریض ڈاکٹر کے کہنے پر غذا تو کھاتا ہے لیکن جبراً اور بادل نخواستہ کھاتا ہے۔ اس کے برعکس وہ شخص جو صحت مند ہے اور اس کی بھوک کی اشتہاء قائم ہے وہ بھی غذا کھائے گا لیکن رغبت

کے ساتھ اور غذا سے لطف بھی اٹھائے گا۔اسی طرح عام آدمی کی عبادت اور صاحب نسبت ولی کی عبادت میں فرق ہے۔ عام آدمی تو عبادت کرتا ہے نفس کو مجبور کر کے اور مارے باندھے ہوئے جب کہ صاحب نسبت عبادت کرتا ہے دل کے تقاضہ کے ساتھ اور اسے عبادت میں مزا بھی آتا ہے۔اسی صحت کاملہ کی حالت کو نسبت کہتے ہیں۔

مدح وذم برابر ہو جاتی ہے

مسلسل محنت اور مجاہدے سے صاحب نسبت حضرات کے نفس کی اصلاح ہو چکی ہوتی ہے اور ان میں سے انانیت ختم ہو جاتی ہے۔ان میں اس حد تک عاجزی آجاتی ہے کہ مدح وذم ان کے لئے برابر ہو جاتی ہے۔کوئی ان کی تعریف کر دے تو اس پر خوشی سے پھول نہیں جاتے بلکہ سمجھتے ہیں کہ یہ میرے اللہ کی شان ہے کہ اس نے میرے عیبوں کو لوگوں سے چھپالیا ہے۔ میں تو اس قابل نہیں ہوں۔ اور اگر کوئی مذمت کرے تو اس پر بھی انہیں رنج نہیں ہوتا سمجھتے ہیں کہ میں ہوں ہی اسی قابل۔ پھر ان کا ہر کام اللہ کی رضا کیلئے ہوتا ہے۔ کسی بھی کام میں نہ انہیں لوگوں کی واہ واہ مطلوب ہوتی ہے اور نہ لوگوں کی ملامت کی پرواہ ہوتی ہے۔ گویا کہ وہ اخلاص کے انتہائی درجہ پر فائض ہو جاتے ہیں۔

حضرت گنگوہیؒ پر نسبت کے اثرات

ہمارے اکابر علماء دیوبند میں حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو فقہ میں ممتاز حیثیت حاصل ہے۔فقیہ امت تھے، جب تعلیم سے فارغ ہوئے تو دل میں خیال

آیا کہ تھانہ بھون جائیں اور حضرت حاجی امداداللہؒ کے پاس ایک دن رہ کر آ کر جیسے طلبہ جاتے ہیں دعائیں کروانے کیلئے، ملنے کیلئے، زیارت کیلئے، اب جب گئے حضرت حاجی صاحب سے ملاقات ہوئی تو ملاقات کے واپسی کی بعد اجازت مانگی واپسی کی، حضرت حاجی صاحب نے فرمایا کہ میاں رشید احمد آپ کچھ دن ہمارے پاس بھی رہ جایئے، انہوں نے تھوڑے سے تامل کے بعد عرض کیا جی بہت اچھا۔

حاجی صاحب نے خادم سے فرمایا کہ بھائی میاں رشید احمد کی چارپائی ہماری چارپائی کے قریب ڈال دینا بس اسی میں کام ہو جانا تھا۔ سو گئے، فرماتے ہیں کہ جب تہجد کا وقت ہوا تو میری آنکھ کھلی میں نے دیکھا کہ کوئی نفلیں پڑھ رہا ہے، کوئی ذکر واذکار کر رہا ہے، کوئی دعائیں مانگتے ہوئے رو رہا ہے، کوئی سجدے میں رو رہا ہے، عجیب کیفیت تھی خانقاہ میں کی۔ فرماتے ہیں کہ میرا نفس تو چاہتا تھا کہ لیٹا رہوں سویا رہوں مگر دل نے کہا رشید احمد ورثۃ الانبیاء میں شمولیت کی تمنا تو تمہیں بھی ہے اور انبیاء کرام کا خلق تو یہ تھا کہ كَانُوا قَلِيلًا مِنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُونَ ، وَبِالْأَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُونَ "وہ لوگ رات کو بہت کم سوتے تھے اور آخری شب میں استغفار کیا کرتے تھے" کہنے لگے مجھے آیتیں یاد آنی شروع ہو گئیں، احادیث یاد آنی شروع ہو گئیں حتیٰ کہ بستر نے مجھے اچھال دیا، میں اٹھ بیٹھا میں نے بھی وضو کیا اور کچھ نفلیں پڑھیں اور اس کے بعد جیسے اور لوگ ذکر کر رہے تھے میں نے بھی ذکر شروع کر دیا۔ فرماتے ہیں کہ فجر کی نماز پڑھ کر حاجی صاحب کے پاس آیا تاکہ رخصت ہونے کی اجازت مانگ لوں، حضرت حاجی صاحب نے پوچھا میاں رشید احمد اگر ذکر کرنا ہی ہے تو پھر سیکھ کر کیوں نہیں کرتے۔ میں نے کہا حضرت سکھا دیجئے! اسی وقت بیعت ہو گئے۔

بیعت ہونے کے بعد میری حالت بدل گئی، میں نے فیصلہ کیا کہ اب چالیس دن یہیں گزاروں گا، حضرت نے بھی رکھ لیا۔ اب ذکر شروع ہو گیا، اذکار بتانے لگ گئے، ایک مہینہ محنت رہی، اپنی چراغ بتی تو پہلے ہی ٹھیک کر آئے تھے، حاجی صاحب نے تو فقط اس کو سلگانا تھا، آگ لگائی تھی، بھڑکانا تھا، ایک مہینہ کے اندر الحمدللہ ان کا کام بن گیا۔ حاجی صاحب نے جب دیکھا کہ اب ان پر ذکر کے اثرات کافی گہرے نظر آتے ہیں تو حاجی صاحب نے امتحان لیا۔ یہ اللہ والے بھی امتحان لیتے ہیں یہ بھی جانچ پڑتال کرتے ہیں، آزماتے ہیں کہ بندے پر ذکر کا اثر ہوا بھی کہ نہیں

ایک مرتبہ حضرت مولانا فضل الرحمن گنج مرادآبادیؒ تشریف لائے اور حاجی صاحبؒ کے ساتھ انہوں نے کسی دعوت میں شریک ہونا تھا۔ حاجی صاحبؒ نے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کو بھی ساتھ لے لیا، اب اس گھر میں پہنچے تو دستر خوان پر تکلف کھانوں سے سجا ہوا تھا حاجی صاحبؒ نے بیٹھتے ہی تھوڑی سی دال اور دو روٹی حضرت گنگوہی کے ہاتھ میں دے دی اور کہا میاں رشید احمد وہاں بیٹھ کر کھا لو۔ حاجی صاحب خود تو کھا رہے ہیں مرغے، چرغے اور ان کو دی دال روٹی۔ آج کا مرید ہوتا تو بیعت ہی توڑ دیتا، کہتا پیر صاحب میں عدالت نہیں ہے۔ لیکن وہ تو سمجھتے تھے کہ اللہ والے بڑے دانا ہوتے ہیں حکیم ہوتے ہیں ان کے ہر فعل میں کوئی نہ کوئی حکمت ہوتی ہے۔ حضرت گنگوہیؒ دستر خوان کے کونے پر بیٹھ کر کھانے لگ گئے۔ حاجی صاحب کچھ دیر تو بیٹھے کھاتے رہے پھر کچھ دیر کے بعد ایسے فرمانے لگے جیسے کوئی غصے میں بات کرتا ہے۔ فرمایا، میاں رشید احمد! عرض کیا، جی حضرت۔ فرمایا، دل تو چاہتا تھا تجھے اور بھی دور بٹھاؤں یہ تم پر احسان کیا کہ دستر

خوان کے کونے پر بٹھالیا۔ ایک تو دی دال اور اوپر سے احسان کہ دستر خوان کے
کونے پر بٹھالیا۔ یہ الفاظ جب کئی لوگوں کے سامنے کہے جائیں اور وہ بھی کسی
بڑے عالم سے تو نفس زیادہ بھڑکتا ہے۔ اس کے بعد حاجی صاحب نے آپ کے
چہرے کو دیکھا کہ نفس بھڑکتا ہے یا نہیں مگر وہاں تو نفس مٹ چکا تھا، پامال ہو چکا
تھا۔ انہوں نے جب یہ سنا تو چہرے پر بشاشت آ گئی اور کہنے لگے کہ حضرت
آپ نے سچ فرمایا میں تو آپ کے جوتوں میں بیٹھنے کے بھی قابل نہیں تھا، یہ
آپ کا احسان ہے کہ آپ نے دستر خوان کے کونے پر بٹھالیا۔ حاجی صاحب نے
جب دیکھا کہ نفس بھڑکنے کی بجائے چہرے پر بشاشت ہے تو فرمایا الحمدللہ اب
ذکر کے اثرات نمایاں نظر آتے ہیں۔ چنانچہ دعوت کے بعد واپس آ کر حاجی
صاحب نے اجازت و خلافت عطا فرمادی۔ اب جو اجازت دی تو حضرت گنگوہی
رحمۃ اللہ علیہ بڑے حیران۔ کہنے لگے کہ حضرت! مجھے تو اپنے اندر کچھ نظر نہیں آتا۔
حاجی صاحب نے فرمایا، رشید احمد! تمہیں یہ اجازت (نسبت) اسی لئے دی گئی کہ
تمہیں اپنے اندر کچھ نظر نہیں آتا۔ اگر نظر آتا تو یہ کبھی نہ دی جاتی۔ خیر اس کے بعد
فارغ ہوئے اور اپنے گھر آ گئے۔

ایک دو سال پھر گنگوہ میں رہ کر کام کیا تو ایک مرتبہ حضرت حاجی صاحب
رحمۃ اللہ علیہ قدرتاً گنگوہ تشریف لے آئے۔ جب ملاقات ہوئی تو حضرت حاجی
صاحب نے ایک عجیب بات پوچھی جو یاد رکھنے کے قابل ہے اور سونے کی سیاہی
سے لکھے جانے کے قابل ہے۔ حضرت حاجی صاحب نے فرمایا کہ میاں رشید احمد
یہ بتاؤ کہ بیعت ہونے سے پہلے اور بیعت ہونے کے بعد تمہیں اپنے اندر کیا
تبدیلی محسوس ہوئی؟ اصولی سوال تھا۔ جب یہ سوال پوچھا تو حضرت گنگوہی رحمۃ

اللہ علیہ تھوڑی دیر سوچتے رہے۔ پھر فرمانے لگے کہ حضرت! مجھے اپنے اندر تین تبدیلیاں نظر آئیں۔

پہلی تبدیلی تو یہ کہ بیعت ہونے سے پہلے مجھے ہی دفعہ مطالعہ کے دوران اشکال پیش آتے تھے ان کے لئے حاشیہ دیکھنا پڑتا تھا، شروحات دیکھنی پڑتی تھیں، اور کافی ساری محنت کرنی پڑتی تب وہ اشکال دور ہوتے تھے۔ اب جب سے بیعت ہوا ہوں اشکال پیش ہی نہیں آتے، خود بخود رفع ہو جاتے ہیں۔ ذہن میں اللہ تعالیٰ ان کے جوابات ڈال دیتے ہیں۔ تو ایک تبدیلی تو یہ پیش آئی۔

دوسری تبدیلی یہ آئی کہ اب جو بھی شریعت کے احکام ہیں ان پر عمل کرنے کے لئے مجھے نفس کو تیار نہیں کرنا پڑتا، بے ساختگی کے ساتھ میں احکام شریعت پر عمل کرتا رہتا ہوں۔

تیسری تبدیلی یہ پیش آئی کہ دین کے معاملہ میں حق بات کہہ دیتا ہوں۔ اب میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہیں کرتا۔ جب حضرت حاجی صاحب نے سنا تو فرمایا، الحمدللہ میاں رشید احمد! دین کے تین درجے ہیں۔

دین کا پہلا درجہ علم ہے۔ اور اس علم کا کمال یہ ہے کہ آدمی کو نصوص شرعیہ میں کہیں تعارض نظر نہ آئے۔ اگر یہ کیفیت ہے تو پھر علم کامل ہے۔

دوسرا درجہ عمل ہے اور اس کا کمال یہ ہے کہ مکروہات شرعیہ مکروہات طبعیہ بن جائیں۔ جن چیزوں سے شریعت نے کراہت کی طبیعت بھی ان سے کراہت کرے یہ عمل کا کمال ہے۔

تیسرا درجہ ہے اخلاص ہے کہ انسان خالصتاً لوجہ اللہ عمل کرے حتیٰ کہ ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہ رہے، لوگوں کی مدح و ذم انسان کی نظر میں

برابر ہو جائے یہ اخلاص کا کمال ہے۔ مبارک ہو اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم میں
کمال عطا فرما دیا، عمل میں بھی عطا کر دیا اور اخلاص میں بھی عطا فرما دیا۔